بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ملکی صورت حال: مسئلے کا حل

قاضی حسین احمد

کیا حقیقی اقتدار موجودہ جمہوری اداروں کی طرف منتقل ہو جائے گا؟ کیا پرویز مشرف صاحب سترھویں ترمیمی بل کی منظوری کے بعد' دستوری تقاضے پورے کرتے ہوئے چیف آف آرمی سٹاف کا عہدہ ۳۱ دسمبر کی آخری تاریخ سے قبل چھوڑ دیں گے یا کلی اقتدار سے چمٹے رہنے پر اصرار کریں گے؟ کیا پاکستان کو ایک دیانت دار' اہل اور ملک و ملت کا حقیقی درد رکھنے والی قیادت میسر آسکے گی؟ کیا امریکا' بھارت اور اسرائیل کی ملی بھگت کے مقابلے میں ہم اپنی قومی مصلحتوں کی حفاظت کرنے کے اہل ہیں؟ کیا ہم امریکا کے ساتھ نتھی ہونے پر مجبور ہیں یا امریکا سے جان چھڑا کر آزاد داخلہ اور خارجہ پالیسی اپنانے کے مواقع موجود ہیں؟

ہم کوشش کریں گے کہ ان اہم سوالات سے متعلق مسائل کے بارے میں اپنی پالیسی کی وضاحت کریں۔

برطانیہ سے آزادی حاصل کرنے کے بعد بظاہر تو اقتدار مسلم لیگ کی طرف منتقل ہوا لیکن قائداعظم اور لیاقت علی خاں کی رحلت کے بعد مسلم لیگ کی تنظیمی کمزوری کی وجہ سے اقتدار کلی طور پر سول اور فوجی اسٹیبلشمنٹ (انتظامیہ) کے ہاتھوں میں مرتکز ہوگیا۔ گورنر جنرل غلام محمد نے دستور ساز اسمبلی توڑی اور بالآخر یہ نوبت آئی کہ جنرل محمد ایوب خاں نے اسکندر مرزا کے ساتھ مل کر فوجی قبضے کے ذریعے سیاسی بساط ہی لپیٹ دی۔ ایوب خان کے بعد یحییٰ خان اور یحییٰ خان کے بعد مشرقی پاکستان گنوا کے ذوالفقار علی بھٹو کو بھی فوج ہی نے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر

بنایا۔ ذوالفقار علی بھٹو سے اقتدار پھر جنرل ضیاء الحق کے ذریعے فوج کی طرف منتقل ہوگیا اور اسی فوجی دورِ حکومت میں نواز شریف کو متعارف کرایا گیا۔ بے نظیر اور نواز شریف کے تجربات کے بعد فوج نے پرویز مشرف کے ذریعے ایک بار پھر اقتدار براہ راست سنبھال لیا۔

اس طرح پاکستان کی پوری تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اقتدار کی حقیقی مالک پاکستان کی فوجی اور سول انتظامیہ (establishment) ہے جو وقتی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً سیاستدانوں میں سے پسند کے کچھ لوگوں کو بھی شریکِ اقتدار کرلیتی ہے لیکن اس کے لیے تیار نہیں ہے کہ حقیقی اقتدار عوام کے نمایندوں کی طرف منتقل ہو۔ موجودہ حکمران پارٹی بناتے وقت بھی اس کا انتظام کیا گیا ہے کہ اس کی قیادت میں کوئی ایسا لیڈر سامنے نہ آسکے جو فوجی قیادت سے آزاد ہوکر ملک وقوم کی رہنمائی کی اہلیت رکھتا ہو۔ چودھری شجاعت حسین علالت کی بنا پر اس قابل نہیں ہیں کہ ملک وقوم کی قیادت کا بوجھ اٹھا سکیں۔ اسی لیے انھوں نے محض چند مہینے کی وزارت عظمیٰ پر بخوشی اکتفا کرلیا۔ اس سے قبل وہ اپنی علالت ہی کی وجہ سے میر ظفر اللہ خاں جمالی کی وزارت عظمیٰ پر رضامند ہوگئے تھے۔

شوکت عزیز صاحب بنیادی طور پر ایک ٹیکنوکریٹ ہیں۔ ساری زندگی ملک سے باہر گزاری ہے۔ ان کا سیاسی میدان کا تجربہ پرویز مشرف کے دور تک محدود ہے۔ وہ پہلی مرتبہ عام انتخابات میں حصہ لے رہے ہیں اور جن حلقوں کو ان کے انتخاب لڑنے کے لیے پسند کیا گیا ہے وہاں ان کی کامیابی کا انحصار جاگیرداروں اور وڈیروں کی حمایت پر ہے۔ یہ امر محل نظر ہے کہ کیا وہ پرویز مشرف کی سرپرستی کے بغیر بھی سیاسی قیادت کی اہلیت رکھتے ہیں۔

پرویز مشرف صاحب نے ایک منصوبے کے تحت مسلم لیگ (ق) کو کسی حقیقی عوامی اور سیاسی قیادت سے محروم رکھا ہے۔ مسلم لیگ (ق) کے اتحادیوں میں اگر ایک دو شخصیات ایسی ہیں بھی کہ وہ ذاتی لحاظ سے قیادت کی اہل ہیں تو وہ مسلم لیگ کو قابل قبول نہیں ہیں۔ البتہ چودھری شجاعت حسین صاحب علالت کے باوجود اپنی برادری کے اثرات، وسائل، اور اپنے طویل سیاسی تجربے کی بنا پر اس بات کے اہل ضرور ہیں کہ اپنے کسی سیاسی حریف کو موجودہ اسمبلی میں اقتدار تک پہنچنے سے روک سکیں۔

ان حالات میں فوجی وردی اتارنے کے باوجود، اقتدار پرویز مشرف کے پاس رہے گا۔ شوکت عزیز ان کی وفاداری اور اطاعت پر مجبور ہوں گے اور چودھری برادران دونوں کو سیاسی پشتیبانی مہیا کرتے رہیں گے۔ امریکی سرپرستی حاصل کرنے کے لیے پرویز مشرف اور شوکت عزیز قومی مصلحتوں اور مفادات پر سودابازی کرتے رہیں گے، جس کے نتیجے میں عوام کی بے چینی بڑھے گی اور عوام کی طرف سے اپوزیشن پر خصوصاً ایم ایم اے پر، پرویز مشرف حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کے لیے دباؤ بڑھے گا۔

ان حالات میں ملک کو کسی ہیجانی صورت حال سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ مسائل کا آئینی اور قانونی حل نکالنے کے لیے اپوزیشن جماعتوں اور حکومتی گروہ میں مذاکرات کا سلسلہ جاری رہے۔ طرفین ایسا رویہ اختیار کرنے سے گریز کریں جس کے نتیجے میں تصادم ناگزیر ہوجائے۔ اس کے لیے سب سے پہلی ضرورت اس بات کی ہے کہ پرویز مشرف صاحب خوش دلی سے آئین کا تقاضا پورا کرتے ہوئے چیف آف آرمی سٹاف کا عہدہ چھوڑ دیں۔ اس سے فوج میں بھی اطمینان پیدا ہوگا اور پرویز مشرف صاحب کو بھی ان خطرات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا جس کی شکایت انھوں نے خود اپنے ایک انٹرویو میں کی ہے کہ ان پر حملے میں فوج کے نچلی سطح کے کچھ لوگوں کا ہاتھ تھا۔ اس کے برعکس اگر آئین کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرتے ہوئے وہ فوجی عہدہ برقرار رکھنے پر اصرار کریں گے تو تشدد کا راستہ اختیار کرنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ ۳۱دسمبر کے بعد فوجی عہدہ برقرار رکھنا آئین کو پس پشت ڈال کر اپنے ہی قائم کردہ جمہوری نظام پر وار کرنے کے مترادف ہوگا جس کے بعد جمہوری قوتوں کے پاس پرویز مشرف کے خلاف ایجی ٹیشن کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہے گا۔ اس ایجی ٹیشن کا نتیجہ جو بھی نکلے، لیکن اتنا تو یقینی ہے کہ اس کے بعد پرویز مشرف صاحب کے لیے اقتدار پر قائم رہنا ممکن نہیں رہے گا اور ایوب خان اور یحییٰ خان کی طرح ان کے اپنے ہی ساتھی ان سے معذرت کرسکتے ہیں کہ ان کا یہ رویہ نہ قوم کے لیے قابل قبول ہے اور نہ ملک کے دوسرے اداروں کے لیے۔ چنانچہ ملک و قوم اور خود پرویز مشرف کے لیے عافیت کا راستہ یہی ہے کہ وہ وردی اتار کر ایک سویلین صدر بننے پر اکتفا کرلیں۔ اگر شوکت عزیز وزیراعظم بن جائیں تو دونوں مل کر باہمی ہم آہنگی کے ساتھ

۲۰۰۷ء تک آئین کی حدود میں رہتے ہوئے حکومتی ذمہ داریاں ادا کرتے رہیں اور اپوزیشن جماعتیں ۲۰۰۷ء کے انتخابات کے لیے تیاری کریں۔

قومی جذبات کا احترام

اس صورت میں پرویز مشرف اور شوکت عزیز کی حکومت عافیت کے ساتھ اسی وقت چل سکتی ہے کہ وہ حساس معاملات میں قومی جذبات کا احترام کریں۔ حساس معاملات میں نیوکلیئر پروگرام سب سے اہم ہے اور اس پر ملک و قوم کی سلامتی کا انحصار ہے۔ بھارت کے مقابلے میں اپنی آزادی اور خودمختاری کی حفاظت کے لیے ہمارا دارومدار اسی صلاحیت پر ہے۔ یہ ملک و قوم اور ہماری فوج کے لیے بین الاقوامی برادری میں افتخار کا باعث ہے۔

امریکا نے کھلم کھلا ہمیں ایک ایٹمی طاقت ماننے سے انکار کیا ہے۔ وہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہے۔ ہماری اس صلاحیت کو اسرائیل نے بھی اپنے لیے خطرہ قرار دیا ہے اور بین الاقوامی صہیونی لابی اس پروگرام کے خلاف سرگرم ہے۔ عبدالقدیر خان سمیت ہمارے بہت سے سائنس دانوں کو اس ایٹمی پروگرام کو پروان چڑھانے کے جرم میں اپنی ہی حکومت کے ہاتھوں ذلیل کرایا گیا ہے اور ایٹمی پھیلاؤ (nuclear proliferation) کا الزام لگا کر پاکستان کو بھی غیر ذمہ دار ملک قرار دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ایٹمی پروگرام پر دباؤ میں کمی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ پرویز مشرف کی وفاداری اور دہشت گردی کے خلاف امریکی اتحاد میں شامل ہونے کے باوجود' اور اس امر کے باوجود کہ پاکستان کو نیٹو سے باہر امریکا کا اہم اتحادی قرار دیا گیا ہے' اس اتحادی پر اس وقت تک اعتماد نہیں کیا جائے گا جب تک کہ پرویز مشرف صاحب ایٹمی پروگرام کو امریکا کے معائنے کے لیے کھول نہ دیں اور اس پر بین الاقوامی کنٹرول کو قبول نہ کرلیں۔ لیکن پرویز مشرف صاحب ایٹمی پروگرام پر ایک حد سے زیادہ مفاہمت نہیں کرسکتے۔ اگر کشمیر یا ایٹمی پروگرام پر قومی پالیسی سے انحراف کیا جائے گا یا اسرائیل کو تسلیم کرنے' عراق اور افغانستان میں امریکی مفادات کے لیے اپنی فوجوں کو ملوث کرنے' یا قبائلی علاقوں میں امریکی دباؤ کے تحت عریاں فوجی قوت استعمال کرنے کے قبیل کے اقدامات

کیے جائیں گے تو حکومت کو اندرونی سیاسی ایجی ٹیشن اور بڑی عوامی تحریک کا سامنا کرنا پڑے گا۔

امریکا خارجہ پالیسی سے آگے بڑھ کر اب تعلیمی اور ثقافتی اور تہذیبی میدان میں بھی اپنی مرضی منوانے پر تلا ہوا ہے۔ پرویز مشرف کے مطلق العنان دورحکومت میں جب ابھی پارلیمنٹ وجود میں نہیں آئی تھی' زبیدہ جلال صاحبہ کی معرفت امریکی آشیر باد کے ساتھ اہم تعلیمی شعبوں میں آغاخان فاؤنڈیشن کو عمل دخل دینے کے لیے ایک معاہدہ کیا گیا تھا۔ اس معاہدے کے مطابق ۲۰۰۶ء میں ملک بھر میں ہر تعلیمی ادارے کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ اپنے ادارے کا آغاخان فاؤنڈیشن کے قائم کیے ہوئے تعلیمی بورڈ سے الحاق کر لے۔ آغاخان فاؤنڈیشن کے بورڈ کو یوایس ایڈ (U.S. Aid) کی مالی پشتیبانی حاصل ہوگی جس کی شہ پر وہ خود سے منسلک اداروں کو بظاہر بہتر سہولتیں مہیا کر کے انھیں مغربی تہذیب و ثقافت اور اقدار اپنانے اور بچوں کو اسلامی تہذیب سے ناآشنا کر کے مغربی تہذیب کا خوگر بنانے پر آمادہ کر سکے گا۔ اس طرح نظام تعلیم کو سیکولر بنانے اور نئی نسل کو اسلامی نظریے کے بجائے سیکولر نظریات کی طرف دھکیلنے کی امریکی پالیسی پر عمل درآمد کرنے کا پروگرام ہے۔

اس کا راستہ ہموار کرنے کے لیے ابھی سے پرویز مشرف صاحب اپنی تقریروں اور انٹرویوز میں اظہار خیال فرما رہے ہیں کہ اسلام سیکولرازم کے ساتھ متصادم نہیں ہے۔ پرویز مشرف صاحب کے اعتدال پسند اسلام (Moderate Islam) کی تو یہ توجیہہ کی جا سکتی ہے کہ خود قرآن کریم نے امت مسلمہ کو امت وسط (اعتدال والی قوم) قرار دیا ہے مگر ان کے اس ارشاد کی کوئی توجیہہ ممکن نہیں ہے کہ اسلام میں سیکولرازم کی گنجایش ہے کیونکہ سیکولرازم نام ہی اجتماعی اور سیاسی زندگی سے دین کے اخراج کا ہے' جب کہ اسلام مکمل نظام زندگی ہے' زندگی بسر کرنے کا سلیقہ ہے اور بقول اقبال دین دنیا کے دروازے کی کنجی ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی چابی سے دنیا کا دروازہ کھولا ہے: ''از کلید دین در دنیا کشاد''۔

اسلام کا مطالبہ ہے کہ اسے قبول کرنا ہے تو پورے کا پورا قبول کرلو۔ اسلام کے بعض حصوں کو قبول اور بعض کو رد کرنے کی کوئی گنجایش دین اسلام میں نہیں ہے۔ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ط (البقرہ ۲:۸۵) ''تو کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں، ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیے جائیں؟''

حدود قوانین اور توہین رسالتؐ کے قانون کو مغربی اقوام کے دباؤ کے تحت تبدیل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ لیکن پرویز مشرف صاحب پر یہ واضح رہنا چاہیے کہ اگر انھوں نے پسپائی اختیار کی اور اسلام کے راستے کو چھوڑ کر اپنے نظام تعلیم اور تہذیب و ثقافت اور قوانین کو مغربی تہذیب کے رنگ میں رنگنے کے راستے پر چل پڑے تو وہ خود اپنے خلاف احتجاج اور ایجی ٹیشن کو دعوت دیں گے۔

مغربی اقوام اور خصوصاً امریکا کا ایک مطالبہ دینی مدارس کے آزادانہ نظام کو ختم کر کے ان کو حکومتی کنٹرول میں دینا ہے۔ مغربی میڈیا میں دینی مدارس کے خلاف زبردست مہم چلائی جارہی ہے اور دینی مدارس کو دہشت گردی اور تشدد کا منبع قرار دیا جارہا ہے۔ دہشت گردی اور جہاد کو ہم معنی قرار دیا جارہا ہے اور اس بہانے قرآنی تعلیمات کو نصاب تعلیم سے خارج کرنے کے لیے دباؤ ڈالا جارہا ہے۔ یہ ایسا مطالبہ ہے کہ پاکستانی قوم کو اس کے لیے آمادہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ جو حکومت بھی اس حد تک امریکا کو خوش کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہوگی اسے اپنی قوم کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

امریکا کے دباؤ کے تحت اس طرح کی پالیسی بنانے والی حکومت ملک کے امن و امان کو تہ و بالا کرنے کی خود ذمہ دار ہوگی اور امن و امان کی خرابی کے ساتھ اقتصادی ترقی کا خواب ہی دیکھا جا سکتا ہے۔ اقتصادی ترقی کے لیے سیاسی استحکام اور امن و امان بنیادی ضرورت ہے۔ آج دنیا میں ہزاروں ارب ڈالر اس انتظار میں ہیں کہ انھیں کسی ترقی پذیر ملک میں امن و امان کی بہتر صورت حال اور سیاسی استحکام ملے تو یہ پورا سرمایہ وہاں منتقل کر دیا جائے۔ خود پاکستانی شہری اپنا سرمایہ اور اپنی مہارت (skill) اپنے ملک کی طرف اس وقت منتقل کریں گے جب ان کو یقین ہوگا کہ ملک سیاسی طور پر مستحکم ہے اور امن و امان کی صورت حال بہتر ہے۔ یہ حالات

اس وقت پیدا ہو سکتے ہیں جب حکومت اور عوام میں ہم آہنگی ہو اور باہمی اعتماد کی فضا قائم ہو۔ جو حکومت اپنے عوام کی خواہشات اور امنگوں کو نظر انداز کر کے طاقت کے استعمال کے ذریعے امن قائم کرنے پر تل جائے' وہ امن کی بجائے بدامنی کو دعوت دے گی۔ چنانچہ وزیرستان میں طاقت کے استعمال کا نتیجہ حکومت نے دیکھ لیا۔ اب پاکستانی فوج اپنے آپ کو خود اپنی قوم میں اجنبی محسوس کر رہی ہے۔ چھاؤنیوں کے گرد دیواروں کو اونچا کیا جا رہا ہے اور فوجی افسران حفاظتی دستوں کی نگرانی کے بغیر اپنے گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ پرویز مشرف صاحب جس راستے سے گزرتے ہیں' اس پورے راستے پر گاڑیوں کے چلنے پر پابندی عائد کر دی جاتی ہے اور عملاً کرفیو کا سماں ہوتا ہے۔ یہ سب عوام کی مرضی کے خلاف پالیسیاں بنانے کے شاخسانے ہیں۔ ان حالات میں ملک نہ اقتصادی طور پر ترقی کر سکتا ہے' نہ اس میں سیاسی استحکام پیدا ہو سکتا ہے' نہ اس کی امن و امان کی صورت حال کو درست کیا جا سکتا ہے۔

بہتری کے لیے اقدامات

اب ہم اپنے سوالات کے اصل جواب کی طرف آتے ہیں۔ اگر پاکستان کی فوج' یہاں کے سیاست دان اور قومی دانش ور خلوصِ نیت کے ساتھ ملک و ملّت کو موجودہ گمبھیر صورت حال سے نکالنا چاہتے ہیں تو درج ذیل اقدامات کے ذریعے قوم کی کشتی بھنور سے نکالی جا سکتی ہے:

۱- پرویز مشرف صاحب چیف آف آرمی سٹاف کا عہدہ چھوڑتے ہوئے اسے فوج کے کسی مستحق اور اہل جنرل کے سپرد کر دیں جو سیاسی عزائم کی بجائے قومی دفاع پر پوری توجہ مرتکز کر دے' اور فوج کو ملک کی اندرونی صورت حال میں فریق بنانے کی بجائے سیاست سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے الگ کر دے۔

۲- نیوکلیئر پروگرام کی حفاظت اور اسے ترقی دینے کی پالیسی پر سختی سے پابندی کا اعلان کیا جائے۔

۳- پارلیمنٹ کی خود مختاری کو تسلیم کر کے اقتدار اس کی طرف منتقل کر دیا جائے اور پارلیمنٹ سے بالاتر اداروں کا خاتمہ کر کے صدر اور سکیورٹی کونسل کے ادارے اور فوج سمیت

تمام اداروں کو پارلیمنٹ کے ماتحت کر دیا جائے۔ اس بنیادی اصول کو قوم' سیاست دان' حکومتی پارٹی اور اپوزیشن دل سے تسلیم کرلیں اور اس کا احترام کریں۔

۴- پرویز مشرف صاحب اور حکمران پارٹی کوئی ایسا اقدام کرنے سے گریز کریں جو ملک کے اسلامی نظریے کے منافی ہو' جس کو ملک کے عوام خوش دلی سے قبول کرنے سے انکاری ہوں اور جو قومی پالیسی اور قومی امنگوں کے منافی ہو۔

۵- کشمیر کی قومی پالیسی پر سختی سے کاربند رہیں اور کشمیریوں کے حق خودارادیت کے علاوہ کسی دوسرے حل کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جائے۔

۶- فلسطینیوں کے ساتھ یک جہتی کا اعلان و اقرار کیا جائے اور بیت المقدس سمیت فلسطین پر اسرائیل کی بالادستی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جائے۔

۷- عراق اور افغانستان میں امریکی فوجی مداخلت کو ختم کر کے عراق اور افغانستان کی آزادی اور خودمختاری کو بحال کرنے کا مطالبہ کیا جائے۔ کسی بھی صورت پاکستانی فوج یا نمایندے عراق نہ بھیجے جائیں۔

۸- دینی مدارس میں ناجائز حکومتی مداخلت کا سلسلہ بند کیا جائے اور امریکی دباؤ کے تحت تعلیمی منہج کو تبدیل کرنے سے احتراز کیا جائے۔

۹- حدود قوانین اور توہین رسالتؐ کے قوانین کو چھیڑنے سے احتراز کیا جائے۔

۱۰- آیندہ انتخابات کو آزادانہ اور منصفانہ بنانے کے لیے ایک آزاد اور خودمختار الیکشن کمیشن کا قیام عمل میں لایا جائے اور چیف الیکشن کمشنر کی تقرری اپوزیشن کے مشورے سے عمل میں لائی جائے۔ جس الیکشن کمیشن پر اپوزیشن عدم اعتماد کا اظہار کرے' اسے تبدیل کر دیا جائے تاکہ انتقال اقتدار عوام کی آزاد مرضی سے عمل میں آئے اور عوام کا حق حکمرانی تسلیم کرلیا جائے۔

اگر حکومت ان تجاویز پر خوش دلی سے عمل کرنے پر آمادہ ہو جائے تو قدرتی طور پر اپوزیشن سے بھی مثبت رویے کی توقع کی جاسکتی ہے بلکہ وہ اقتصادی' اخلاقی اور سیاسی میدان میں ترقی کے کاموں میں حکومت سے تعاون کرے گی۔ اس صورت میں ملک و قوم کی کشتی نئے آنے والے طوفانی دور میں بحفاظت پار ہوسکتی ہے اور حکومت اور اپوزیشن کے درمیان تعاون کے

راستے کھل سکتے ہیں۔ ملک کے ہر بہی خواہ کا فرض ہے کہ حکومت اور اپوزیشن دونوں کو عافیت کا یہ راستہ اختیار کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے اثر و رسوخ استعمال کرے۔ حکومت اور اپوزیشن کے درمیان اگر قومی مفاد پر مبنی اس پالیسی پر اتفاق ہو جائے تو ہم بھارت' اسرائیل اور امریکی گٹھ جوڑ کے باوجود خطرات کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور قومی مصلحتوں کی حفاظت کی خاطر آزاد خارجہ اور داخلہ پالیسیاں بنا سکتے ہیں اور ملکی دفاع کی خاطر عوام' فوج اور حکومت کامل اتفاق اور ہم آہنگی کے ساتھ ایک ساتھ چل سکتے ہیں۔ جمہوری طرز حکومت کا حسن یہی ہے کہ حکومت اور اپوزیشن قومی مفاد کی خاطر اکٹھی ہو جاتی ہیں اور قومی سلامتی کو درپیش خطرات کا مل کر مقابلہ کرتی ہیں۔

کسی بھی جمہوری معاشرے میں ہر پارٹی کا اصل ہدف اپنی قوم کی فلاح و بہبود ہوتی ہے۔ قومی فلاح و بہبود کے لیے قومی سلامتی اولیں ضرورت ہے اور قومی سلامتی کی خاطر حکومت' فوج اور عوام میں ہم آہنگی ضروری ہے۔ یہ ہم آہنگی اس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب ملک کے تمام ادارے صدق دل سے پاکستان کے آئین اور قرارداد مقاصد میں بیان کردہ بنیادی اصولوں کی پاسداری کریں۔ ان بنیادی اصولوں میں سب سے اہم ہمارا اسلامی نظریہ ہے۔ قومی اسمبلی اور سینیٹ کے غیر مسلم ممبران سمیت ملک کے تمام اہم اداروں کے افراد پاکستان کے اسلامی نظریے کے ساتھ وفاداری کا حلف لیتے ہیں۔ دستور کی پابندی اور اس کی حفاظت کرنے کا حلف ہماری افواج کے سربراہان' ہمارے صدر' وزیراعظم اور اعلیٰ عدالتوں کے تمام جج صاحبان لیتے ہیں لیکن اس کے باوجود دستور کی پابندی نہ کرنے کے نتیجے میں ہمارا سیاسی نظام کئی بار تلپٹ ہو چکا ہے۔

ہماری افواج میں بھی اب یہ احساس پایا جاتا ہے کہ قومی سلامتی کے لیے اپنی تاریخ اور اسلامی نظریے سے وابستگی' مضبوط اقتصادی ڈھانچا اور مضبوط اداروں کا قیام ضروری ہے۔ یہ سب کچھ اس وقت ممکن ہے جب ہم دستور کی پابندی کا عہد کریں جس کی بنیاد نظریہ اسلام' جمہوریت' وفاقیت اور عدلیہ کی آزادی پر رکھی گئی ہے۔

اس وقت پوری قوم میں اپنے مستقبل کے بارے میں جو فکرمندی پائی جاتی ہے' اس فکرمندی اور تشویش کو امید کی شمع روشن کر کے یقین محکم میں تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ یاس اور حزن' مایوسی اور ناامیدی تمام برائیوں کی جڑ ہے اور یہ انسان کی قوت عمل کو مفلوج کر دیتی ہے' جب کہ امید اور یقین مضمحل قوتوں میں بھی جان ڈال دیتی ہے۔ اس لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے: یسروا ولا تعسروا بشروا ولا تنفروا ''آسانیاں پیدا کرو اور تنگیاں مت پیدا کرو' خوشخبریاں سناؤ اور لوگوں کو متنفر مت کرو''۔

اللہ رب العالمین کا قرآن کریم میں تاکیداً حکم ہے:

لا تقنطوا من رحمة الله ''اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو''۔ لا تیئسوا من روح اللّٰہ 'اللہ کے رحم سے ناامید نہ ہو'۔ لا تخافوا ولا تحزنوا 'نہ خوف کرو اور نہ غم کرو'۔ لا تخف 'خوف مت کرو'۔ لا تحزن 'غم مت کرو'۔

یہی تعلیم ہمارے قومی شاعر علامہ اقبال نے دی ہے۔ وہ امید کے شاعر تھے۔ یاس اور حزن کو انھوں نے مثنوی اسرار خودی میں ام الخبائث قرار دیا ہے اور فرمایا ہے ؎

نہ ہو نومید' نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے
امیدِ مردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں